ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی[1]
قاری محمد مصطفی راسخ[2]

تحقیق حدیث میں از روئے متن شذوذ و علت کی مباحث: تحقیقی مطالعہ

Abstract

Arguments on Shūdhūdh (aberrations) and 'Illah (hidden defects) are some of the most important and complex studies in the sciences of Prophetic narrations. In this treatise, principles and fundamental rules that relate to the aberrations and hidden defects found in the text (Matan) and the chain of narrations (Sanad) of Ḥadīth are discussed. Moreover, it is also concluded that in the verification of Ḥadīth, there is no distinction in between the rules for the verification of Matan and those that are thought to be for Sanad. In fact the standard for the verification is mainly relied upon the reliability of Sanad primarily and not Matan.

Almost all the arguments that we come across with regards to the verification of the text of Ḥadīth in the books of Uṣul al-Ḥadīth, the conclusion implies reverification of the Sanad or the chain of narration. Therefore, to declare Matan to be the benchmark of its own verification seems incongruous.

بحث اول: شذوذ فی المتن

تمام معاجم اور کتب لغات کے تناظر میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مجموعی طور پر لفظ 'شاذ' کلام عرب میں ''شذّ یشذّ شذوذا'' انفرادیت، ندرت، اجنبیت، قلت، افتراق اور کسی چیز کا عمومی قاعدے،

1 پرنسپل، لاہور انسٹیٹیوٹ فار سوشل سائنسز، لاہور
2 انچارج، اسلامک ریسرچ کونسل، لاہور

ضابطے اور استعمال کے عام قانون کے خلاف ہونا، جیسے معانی کے گرد گھومتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے :

"شذّ يشذّ شذوذ: انفرد عن الجمهور وندر فهو شاذ."[1]

"اس نے جمہور سے الگ اور منفرد رائے اختیار کی۔"

اس کے بالمقابل عربی زبان ہی کا ایک دوسرا لفظ 'ضعیف' بھی ہے ، جو "ضَعَّفَ يُضعِّفُ ضُعْفًا" سے ہے جس کا معنی ہے کہ کمزور ہونا، ردی ہونا یا سقیم ہونا۔[2] پس کلام عرب میں 'شاذ' اور 'ضعیف' کے معانی میں فرق ہے اور مختلف علوم کی اصطلاحات میں شاذ اور ضعیف کے درمیان یہ اختلافی معنٰی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، کیونکہ اہل علم کے ہاں اصطلاحات منقول کے قبیل ہی سے ہوا کرتی ہیں۔[3] مختلف علوم کی اصطلاحات میں 'شاذ' اور 'ضعیف' کے درمیان فرق درج ذیل بحث سے واضح ہے۔

عربی گرامر میں شاذ

عربی زبان کے اصولوں کے ضمن میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ شاذ ضعیف قول کو نہیں، بلکہ قلیل الاستعمال کو کہتے ہیں، چنانچہ مشہور قاعدے کے خلافِ استعمال کو شاذ کہیں گے۔ اور یہ بات معروف ہے کہ عربی زبان کی تدوین کے وقت اکثریتی رویوں کو مدنظر رکھ کر نحوی قواعد تشکیل دیے گئے ہیں۔ زبان اور قواعدِ زبان کا ضابطہ یہ ہے کہ کلام کرتے ہوئے قواعد کے مطابق بات کی جائے۔ البتہ اگر کوئی قلیل الاستعمال لغت کے مطابق بات کرتا ہے تو وہ اس پر عمل تو کر سکتا ہے کیونکہ شاذ کا بہر حال عربی زبان میں ایک استعمال تو ہوتا ہے جبکہ ضعیف کا ثبوت ہی نہیں ہوتا۔ شاذ لغت پر عمل مرجوح شے کو اختیار کرنا ہے، غلط کو نہیں۔ چنانچہ کلام وبیان کے ماہرین 'شاذ لغت' پر عمل کو جائز تو کہتے ہیں، البتہ پسندیدہ نہیں سمجھتے۔

قرآن کریم میں شاذ

چند راویوں سے آنے والی اس عام قراءت کو، جو تواتر کے درجہ کو نہ پہنچے اور نہ ہی ائمہ قراءت کے ہاں اسے قبولیت عامہ حاصل ہو، اصطلاح قراء میں شاذ قراءت کہتے ہیں۔[4] گویا اہل فن کے ہاں شاذ قراءات کے امتیاز کے لیے دو شرائط ضروری ہیں:

① وہ قراءت بطریق تواتر منقول نہ ہو۔

---

1 ابن منظور، محمد بن مكرم، لسان العرب:4/494، دار صادر، بيروت، الطبعة الثالثة، 1414ھ

2 الفيروز آبادي، مجد الدين، قاموس المحيط: 1/829، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، 2005م

3 روپڑی، عبداللہ، محدث، حافظ، درایت تفسیری: ص66، مجلس تحقیق اسلامی لاہور

4 زركشي، بدر الدين محمد بن بهادر، البرهان في علوم القرآن، تحقيق: الدكتور يوسف عبد الرحمن المرعشيلي: 1/481، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى، 1990م

④ ائمہ قراءات کے نزدیک اسے تلقّی بالقبول اور شہرتِ عامہ کا درجہ حاصل نہ ہو۔

اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ 'قراءات شاذہ' کا اطلاق ان تمام قراءات پر ہوتا ہے جو متواتر کے علاوہ ہیں یا جن کو ائمہ قراءات کے ہاں استفاضہ (تلقّی بالقبول) کی حیثیت حاصل نہیں۔ مذکورہ بات سے ثابت ہوا کہ ماہرین کے ہاں 'ضعیف قراءت' اور 'شاذ قراءت' میں فرق ہے۔ 'ضعیف قراءت' وہ ہے جو غیر ثابت شدہ ہو اور 'شاذ' وہ ہے جو ثابت شدہ تو ہو لیکن تواتر یا استفاضہ کی شرط کے معدوم ہونے کی بنا پر بطورِ قرآن قبول نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ 'شاذ قراءت' سے بطورِ حدیث علماء استدلال کرتے ہیں، جبکہ 'ضعیف قراءت' سے استدلال نہ کرنے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔[1]

فن حدیث میں شاذ

روایت حدیث میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا ثقات کی مخالفت کرے تو اوثق یا ثقات کی روایت کو ثقہ کی روایت کے بالمقابل محدثین عظام رحمہم اللہ 'محفوظ' اور ثقہ کی روایت کو 'شاذ' کہتے ہیں۔[2] واضح ہوا کہ فن حدیث میں بھی 'شاذ' 'ضعیف' کو نہیں کہتے، کیونکہ اگر صحیح اور دوسری ضعیف روایات باہم ٹکرا جائیں تو یہ 'مختلف الحدیث' یا 'مخالفت الثقات' کی بحث نہیں، بلکہ اصطلاحات محدثین رحمہم اللہ کی رو سے ضعیف کو 'المنکر' اور صحیح کو 'المعروف' کی متوازی اصطلاحات سے بیان کیا جاتا ہے۔ البتہ جب دو صحیح روایتیں باہم ٹکرا جائیں تو تعارض ہونے کی بنا پر جمع و نسخ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اکثریت کی بات کو اقلیت پر ترجیح دینے یا ثقہ کے بالمقابل اوثق کو ترجیح دینے سے ثقہ کی روایت 'شاذ' کہلاتی ہے۔ پس 'شاذ' روایت سنداً صحیح ہوتی ہے لیکن 'ثقات' یا 'اوثق' کی روایت کے بالمقابل منفرد، قلیل، نادر ہونے کی وجہ سے متروک العمل ہو جاتی ہے۔[3]

المختصر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فن حدیث میں 'شاذ' اور 'ضعیف' روایت میں اہل فن فرق کرتے ہیں۔ 'شاذ' کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اب ہم 'شاذ حدیث' کی فن حدیث سے متعلقہ عام تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

'شاذ روایت' کی تعریف

امام سخاوی رحمہ اللہ (متوفی 902ھ) شاذ کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

"ما يخالف الراوى الثقة فيه بالزيادة أو النقص في السند أو في المتن الملإ أى الجماعة الثقات من الناس بحيث لا يمكن الجمع بينهما."[4]

[1] اسلم صدیق، محمد، قراءات شاذہ شرعی حیثیت اور تفسیر وفقہ پر اثرات: ص189-238، شیخ زاید اسلامک سنٹر، لاہور، 2006ء

[2] البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي، الكفاية في علم الرواية: ص141، المكتبة العلمية، المدينة المنورة، س ن

[3] العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، النكت على كتاب ابن الصلاح: 2/252-254، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، 1984م

[4] السخاوي، أبي عبد الله محمد بن عبد الرحمن، فتح المغيث: 1/244، مكتبة السنة، مصر، الطبعة الأولى، 2003م

"الفاظ حدیث کی زیادتی یا کمی میں ثقہ راوی، ثقہ جماعت کی مخالفت کرے اور دونوں کے درمیان جمع ممکن نہ ہو۔ یہ مخالفت کبھی سند اور کبھی متن میں ہوتی ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

"شذوذ یہ ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا ثقات کی ایک جماعت کی مخالفت کرے۔ اوثق یا ثقات کی روایت کو محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم 'محفوظ' اور ثقہ کی روایت کو 'شاذ' کہتے ہیں۔"[1]

'شاذ' روایت کی تعریفات اگرچہ اس کے علاوہ بھی کی گئی ہیں، البتہ راجح تعریف 'شاذ' کی وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ اسی تعریف کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے۔[2] 'شاذ' کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

1۔ سند میں شذوذ 2۔ متن میں شذوذ

'شاذ' کی بحث کو محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم 'مخالفت الثقات' کی بحث کے ضمن میں لاتے ہیں، کیونکہ 'ثقہ' اور 'اوثق' یا 'ثقہ' اور 'ثقات' کے اختلاف کے موضوع کا تعلق 'مخالفت الثقات' سے ہے۔[3]

'مخالفۃ الثقات' کے لحاظ سے شذوذ کی اقسام

شذوذ فی المتن کے اعتبار سے مخالفت الثقات کی چار قسمیں ہیں:

1۔ مدرج المتن 2۔ مقلوب المتن 3۔ اضطراب الحدیث 4۔ مصحف المتن

ان تمام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مدرج المتن

لفظ 'ادراج' حدیث میں ایسے اضافے کو کہتے ہیں جو حقیقت میں حدیث کا حصہ نہ ہو۔ اگر یہ متن میں واقع ہو تو اسے مدرج المتن کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مدرج المتن کی تعریف ان الفاظ میں ذکر فرمائی ہے:

"وأما مدرج المتن فهو أن يقع في المتن كلام ليس منه فتارة يكون في أوله، وتارة في أثناه وتارة في آخره، وهو الأكثر لأنه يقع بعطف جملة، على جملة أو بدمج موقوف من كلام الصحابة، أو من بعدهم بمرفوع من كلام النبي ﷺ من غير فصل، فهذا هو مدرج المتن."[4]

---

[1] العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، شرح نخبة الفكر: ص37، مؤسسة مناهل العرفان، بيروت، الطبعة الثانية، 1990م

[2] أيضاً: ص37

[3] فتح المغيث: 1/ 244؛ الطحان، أبو حفص محمود بن أحمد، تيسير مصطلح الحديث: ص101-118، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الطبعة العاشرة، 2004م

[4] العسقلاني،أحمد بن علي بن حجر، نزهةالنظر: 1/227، مطبعة سفير بالرياض، الطبعة الأولى، 1422هـ

"مدرج المتن یہ ہے کہ متنِ حدیث میں ایسا کلام واقع ہو جو حقیقت میں اس کا حصہ نہ ہو۔ ادراج کبھی حدیث کی ابتدا میں، کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں واقع ہوتا ہے اور زیادہ آخر میں ہی ہوتا ہے، کیونکہ ادراج ایک جملہ پر دوسرے جملہ کے عطف کے ذریعے، یا صحابہ و تابعین کے موقوف کلام کو نبی کریم ﷺ کے مرفوع کلام کے ساتھ بلا فصل ملا دینے سے واقع ہوتا ہے، اسی کو مدرج المتن کہتے ہیں۔"

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 643ھ) نے مدرج المتن کی وضاحت کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے:

"منها ما أدرج في حديث رسول الله ﷺ من كلام بعض رواته بأن يذكر الصحابي أو من بعده عقيب ما يرويه من الحديث كلاما من عند نفسه فيرويه من بعده موصولا بالحديث غير فاصل بينهما بذكر قائله فيلتبس الأمر فيه على من لا يعلم حقيقة الحال ويتوهم أن الجميع عن رسول الله ﷺ."[1]

"ادراج کی ایک قسم وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کسی راوی کا کلام شامل کر دیا جائے۔ ایسا یوں ہوتا ہے کہ راوی حدیث روایت کرنے کے بعد اپنا کلام ذکر کرے۔ پھر صحابی یا تابعی کا ذکر کرے اور اس کے بعد بلا فصل قائل کے ذکر کے بغیر باقی حدیث موصول بیان کر دے۔ اس طرح اس شخص پر معاملہ خلط ملط ہو جاتا ہے جو حقیقتِ حال سے واقف نہیں۔ اور وہ اس تمام کو ہی رسول اللہ ﷺ کا کلام سمجھ لیتا ہے۔"

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 743ھ) نے مدرج المتن کے متعلق فرمایا ہے:

"أحدها ما أدرج في الحديث من كلام بعض رواته فيرويه من بعده متصلا يتوهم أنه من الحديث."[2]

"ادراج کی ایک قسم یہ ہے کہ حدیث میں کسی راوی کا کلام شامل کر دیا جائے اور اس کے بعد والا راوی اسے متصل بیان کر دے، جس سے یہ وہم ہو کہ یہ حدیث کا حصہ ہی ہے۔"

اس کی مثال یہ حدیث ہے:

روى الخطيب من طريق أبي قطن وشبابة عن شعبة عن محمد ابن زياد عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: «أسبغوا الوضوء، ويل للأعقاب من النار»[3]

---

1 ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، مقدمة ابن الصلاح: 95/1، دار الفكر، سوريا، الطبعة الأولىٰ، 1986م

2 الطيبي، الحسين بن محمد، الخلاصة في معرفة الحديث: 53/1، المكتبة الإسلامية للنشر والتوزيع، الطبعة الأولى، 2009م

3 البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي، الفصل للوصل المدرج في النقل: 23/1، الناشر دار الهجرة، الطبعة الأولى، 1997م

"یعنی وضوء مکمل کرو، (خشک) ٹخنوں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے۔"

اس روایت کا پہلا حصہ یعنی "أسبغوا الوضوء" نبی کریم ﷺ کا کلام نہیں بلکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، جو راوی ابو قطن (متوفیٰ 198ھ) اور شبابہ (متوفیٰ 206ھ) نے غلطی سے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس بات کا یوں پتہ چلا کہ دیگر ثقہ راویوں نے "أسبغوا الوضوء" کے الفاظ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف اور «ويل للأعقاب من النار» کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

عن آدم عن شعبة عن محمد بن زياد عن أبي هريرة قال: «أسبغوا الوضوء» فان أبا القاسم ﷺ قال: «ويل للأعقاب من النار»[1]

آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 221ھ) کے علاوہ یہ روایت ابن جریر (متوفیٰ 206ھ)، عاصم بن علی (متوفیٰ 221ھ)، علی بن الجعد (متوفیٰ 230ھ)، غندر (متوفیٰ 193ھ)، ہشیم (متوفیٰ 183ھ)، یزید بن زریع (متوفیٰ 182ھ)، نضر بن شمیل (متوفیٰ 203ھ)، وکیع (متوفیٰ 197ھ)، عیسیٰ بن یونس (متوفیٰ 187ھ) اور معاذ بن معاذ (متوفیٰ 196ھ) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے بھی شعبہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 160ھ) سے بیان کی ہے اور سب نے اس کے پہلے حصے کو ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ہی کلام کہا ہے۔[2]

اس کی ایک دوسری مثال یہ ہے:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لاَ يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الخَلاَءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ - اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ العَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ[3]

"امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 124ھ) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پر وحی کا ابتدائی دور سچے خوابوں سے شروع ہوا۔ آپ ﷺ خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح صحیح اور سچا ثابت ہوتا۔ پھر آپ تنہائی پسند ہو گئے اور آپ ﷺ نے غارِ حراء میں خلوت نشینی اختیار فرمائی، آپ وہاں "تحنث" یعنی عبادت میں کئی کئی راتیں مشغول رہتے، اس سے پہلے کہ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کی طرف آتے۔"

---

[1] البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب غسل الأعقاب: 165، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 1999م

[2] العراقي، زين الدين عبد الرحيم، التقييدوالإيضاح: ص128، دار العلوم حقانيه، اكوره ختك، باكستان، الطبعة الأولى، 1969م

[3] صحيح البخاری، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ: 3

اس روایت میں "وهو التعبد" کے لفظ مدرج ہیں اور یہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 125ھ) کا کلام ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 852ھ) نے یہ وضاحت فرمائی ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 743ھ) نے بھی یہی ذکر فرمایا ہے۔[1]

مقلوب المتن

'قلب' تبدیلی کو کہتے ہیں۔ اگر راوی غلطی سے متن میں کوئی تبدیلی کر دے تو اسے مقلوب المتن کہتے ہیں۔ ڈاکٹر نور الدین عتر نے اس کی ایک جامع تعریف یوں کی ہے:

"هو الحديث الذى ابدل فيه راويه شيئا بآخر في السند أو المتن سهوا أو عمدا."[2]

"مقلوب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں راوی سند یا متن میں بھول کر یا جان بوجھ کر کوئی چیز تبدیل کر دے۔"

اس کی مثال یہ روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ يَمِينُهُ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا، فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ»[3]

"یعنی سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سائے میں سے سایہ عطا فرمائیں گے جب اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔ عادل حکمران، وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں پرورش پائی، وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق رہتا ہے، ایسے دو آدمی جو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں وہ اسی پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی پر الگ ہوتے ہیں، وہ شخص جسے منصب وجمال والی خاتون برائی کی دعوت دے مگر وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جس نے اس قدر چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے دائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہوا کہ بائیں نے کیا خرچ کیا ہے اور ایسا شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔"

اس روایت کے متن میں راوی نے غلطی سے دائیں ہاتھ کی جگہ بائیں کا ذکر کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحیح

---

1 العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، فتح البارى شرح صحيح البخاري: 1/23، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة، 2000م

2 الحلبي، نورالدين محمدعتر، منهج النقد في علوم الحديث: 1/ 435، دار الفكر، دمشق، الطبعة الثالثة، 1997م

3 النيسابوري، مسلم بن الحجاج القشيري، صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، باب فضل إخفاء الصدقة: 1031، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1998م

بخاری اور مؤطا وغیرہ میں یہ روایت ان لفظوں میں مروی ہے:

«حتی لا تعلم شماله ما تنفق يمينه»[1]

”اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔“

علاوہ ازیں یہ بات بھی معروف ہے کہ خرچ کرنے کے عمل کا تعلق دائیں ہاتھ سے ہی ہے۔[2]

اس کی دوسری مثال وہ روایت ہے جس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کرتے ہیں کہ

«إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ، وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ»[3]

”جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی مانند نہ بیٹھے اور اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۔“

اِمام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 751ھ) نے فرمایا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے متن کو کسی راوی نے تبدیل کر دیا ہے۔ غالباً اس کی اصل یوں ہے:

«وليضع ركبتيه قبل يديه»[4]

”اور اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھے۔“

اضطراب الحدیث

لفظ 'اضطراب' دو مختلف مگر قوت میں برابر روایات کے باہمی ٹکراؤ کا نام ہے، جن میں نہ تو جمع و تطبیق ممکن ہو اور نہ ہی کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا۔ حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے مضطرب کی تعریف ان لفظوں میں ذکر فرمائی ہے:

”المضطرب من الحديث هو الذى تختلف الرواية فيه فيرويه بعضهم على وجه وبعضهم على وجه آخر مخالف له وإنما نسميه مضطربا إذا تساوت الروايتان.“[5]

”مضطرب حدیث وہ ہوتی ہے جس میں روایت مختلف ہو، یعنی ایک راوی اسے ایک طریق پر اور دوسرا اسے دوسرے طریق پر روایت کرے جو پہلے کے مخالف ہو، اسے ہم صرف اس وقت مضطرب کہیں گے جب دونوں

---

1 صحيح البخارى، كتاب الزكوٰة، باب الصدقة باليمين: 1423

2 النووى، محى الدين يحيىٰ بن شرف، شرح الإمام النووى على صحيح مسلم: 3/481، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، 1415هـ

3 السجستاني، أبو داؤد، سليمان بن الأشعث، سنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه: 840، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

4 ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، زاد المعاد في هدى خير العباد: 1/218، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة السابعة العشرون، 1994ء

5 مقدمة ابن الصلاح: 1/ 94

روایتیں مساوی ہوں۔"

اگر اضطراب متن میں واقع ہو تو اسے 'مضطرب المتن' کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ روایت ہے:

عن ابن عباس قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: «إن أمي ماتت وعليها صوم، أفأصوم عنها؟ فقال: أرأيت لو كان عليها دين أنت تقضيه؟ قال نعم، قال: فدين الله أحق أن يقضى»[1]

"ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمہ کچھ روزے ہیں، کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے بتاؤ! اگر اس کے ذمہ قرض ہوتا تو تم اسے ادا کرتے؟ اس نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے آکر نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میری بہن فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمہ روزے ہیں... «قال رأيت لو كان على أختك دين أكنت تقضينه قالت: نعم، قال: فحق الله أحق»[2]

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آکر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمہ نذر کے روزے ہیں، کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟... فقال رسول الله ﷺ: «اقضه عنها» "[3]

اب ان تمام روایات کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میت والدہ تھی یا بہن، سائل مرد تھا یا عورت اور میت کے ذمہ نذر کے روزے تھے یا کوئی اور؟ ان تمام وجوہات کی بنا پر امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (متوفیٰ 463ھ) نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔[4]

اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی بیان کی جاتی ہے:

عن شريك عن أبي حمزة عن عامر الشعبي عن فاطمة بنت قيس قالت سألت أو سئل النبي ﷺ عن الزكاة فقال « إن في المال لحقا سوى الزكاة»[5]

---

1 صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت: 1148

2 الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى، جامع الترمذى ، أبواب الصوم، باب ما جاء في الصوم عن الميت: 716، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

3 المدني، مالك بن أنس، مؤطأ الإمام مالك، كتاب النذور والإيمان، باب ما يجب من النذور في المشي: 1710، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية، 1992م

4 القرطبي، أبو عمر يوسف بن عبد الله، التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد: 27/9، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب، 1387هـ

5 جامع الترمذى، كتاب الزكوٰة، باب ما جاء أن في المال حقا سوى الزكاة ...: 659

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔"

سنن ابن ماجہ میں یہ روایت اسی سند سے مروی ہے مگر اس کا متن مختلف ہے جس وجہ سے اس میں اضطراب واقع ہو گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں:

«ليس في المال حق سوى الزكاة»[1] "مال میں زکوۃ کے علاوہ کوئی حق نہیں ۔"

اِمام عراقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 806ھ) اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس میں ایسا اضطراب ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں۔"[2]

اِمام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 911ھ) نے بھی اِمام عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فرمایا ہے:

"یہ روایت ایسی مضطرب ہے کہ تطبیق ممکن نہیں۔"[3]

مصحّف المتن

لفظ 'تصحیف' غلطی پر مبنی ایسے تغیر و تبدل کا نام ہے جس کی وجہ سے ثقات کی مخالفت ہو جائے۔ اگر تصحیف متن میں واقع ہو تو اسے 'مصحّف المتن' کہا جاتا ہے۔ تصحیف کی دو صورتیں ہیں۔ اگر تبدیلی نقطوں کی ہو تو اسے 'تصحیف' کہا جاتا ہے اور اگر تبدیلی حروف کی ہو تو اسے 'تحریف' کہتے ہیں۔ اگرچہ تحریف بھی تصحیف میں داخل ہے، مگر بعض اہل علم اسے تصحیف کے بالمقابل مستقل اصطلاحی نام 'تحریف' بھی دیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إن كانت المخالفة بتغيير حرف أو حروف مع بقاء صورة الخط في السياق، فإن كان ذلك بالنسبة إلى النقط فالمصحف وإن كان بالنسبة إلى الشكل فالمحرف."[4]

"اگر مخالفت اس طرح ہو کہ صورتِ خط تو باقی رہے مگر ایک یا زیادہ حروف تبدیل ہو جائیں، تو اگر یہ تبدیلی نقطوں کی ہو تو اسے "مصحف" کہا جائے گا اور اگر اعراب کی ہو تو وہ 'محرف' کہلائے گی۔"

'مصحف' کی مثال یہ ہے:

حدثنا ابن لهيعة قال كتب إلى موسى بن عقبة يخبرني عن بسر بن سعيد عن زيد بن ثابت «أن رسول الله ﷺ احتجم في المسجد»[5]

---

[1] سنن ابن ماجة، كتاب الزكوٰة، باب من أدى زكاته ليس بكنز: 1789

[2] تدريب الراوي: 1/ 313

[3] السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، تدريب الراوى في شرح تقريب النواوي: 1/266، دار طيبة، س ن

[4] نزهة النظر: ص 94

[5] أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، إمام، مسند الإمام أحمد بن حنبل: 5/185، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، 1999م

”رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں پچھنے لگوائے۔“

اس حدیث کے متن میں لفظ ”احتجم“ (پچھنے لگوائے) میں تصحیف ہوئی ہے۔ یہ اصل میں احتجر (گود میں لیا) تھا یعنی آخر میں میم کی بجائے راء تھی مگر ابن لَہِیعہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 174ھ) راوی نے اس میں تصحیف کر کے ”احتجر“ سے ”احتجم“ بنادیا۔[1]

’محرف‘ کی مثال یہ ہے:

”بلغنا عن الدار قطني في حديث أبي سفيان عن جابر قال: رمى أبي يوم الأحزاب على أكحله فكواه رسول الله ﷺ.“[2]

”جنگ احزاب میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں داغ لگایا۔“

غندر رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 293ھ) نے اسے روایت کرتے ہوئے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بجائے ’ابی‘ یعنی میرا باپ کہا ہے حالانکہ جابر رضی اللہ عنہ کے والد تو اس جنگ سے پہلے جنگ اُحد میں ہی شہید ہو چکے تھے۔

نوٹ: ’شاذ‘ حدیث کی اہل علم کے ہاں دو صورتیں ہیں:

① دو مختلف روایات صحیحہ میں ایسا تعارض جو جمع نہ ہوسکنے کی صورت میں اِدراج، قلب، اضطراب یا تصحیف وغیرہ پر اس لیے محمول کر دیا جائے کہ ایک روایت کے راوی چونکہ زیادہ ثقہ یا تعداد میں کثیر ہیں، چنانچہ اس روایت کو دوسری صحیح روایت پر ترجیح دے دی جائے۔ اس مرجوح روایت کو محدثین کرام رحمہم اللہ ’شاذ‘ اور راجح روایت کو ’محفوظ‘ کہتے ہیں۔ اس صورت کی رو سے ’شاذ‘ کی بحث کا تعلق معمول بہ یا غیر معمول بہ روایت کی بحث سے ہوگا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ البتہ اگر روایات صحیحہ کا باہمی تعارض ویسے ہی حل ہو جائے تو یہ بحث شاذ و محفوظ کی رہے گی ہی نہیں۔

② ’شاذ‘ حدیث کی ایک خاص صورت یہ بھی ہے کہ ایک ہی استاد سے کسی شے کو اخذ کرنے یا کسی واقعہ کے تحمل کے بعد اسے آگے نقل کرنے میں اگر مختلف مخبرین کا باہم خبروں میں اختلاف ہو جائے تو ان میں سے ثقہ راوی کی خبر چھوڑ کر اوثق یا ثقات کی رائے کو قبول کرلیا جائے۔ اس خاص صورت کی رو سے بحث ’شاذ و محفوظ‘ کا تعلق ’استدراکات‘ کی بحث سے ہوگا بلکہ اس قسم کے راویوں کے اختلاف کو عام محدثین رحمہم اللہ نے ’شاذ و محفوظ‘ کی بجائے اصطلاحی نام دیا ہی ’استدراکات‘ کا ہے۔ اس بحث کا خالص تعلق فن محدثین سے ہے، جبکہ پہلی صورت کا کافی سارا تعلق فن فقہاء کی بحث سے بھی ہے۔

---

[1] الدمشقي، طاهر بن صالح، توجيه النظر إلى أصول الأثر: 1/441، مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الأولى، 1996م

[2] مقدمة ابن الصلاح : ص 164

بحث ثانی: علت فی المتن

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے کسی حدیث پر حکم لگاتے ہوئے سند کو بنیادی حیثیت دی ہے اور اس کے لیے خیر القرون رحمۃ اللہ علیہم سے باقاعدہ اصول وضوابط اخذ کر کے مدون فرمائے ہیں۔ ان اصول وضوابط کے اطلاقات کے لیے جہاں محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کی ظاہری تحقیق کے ضوابط مدون فرمائے، وہاں اس کے ساتھ ساتھ روایت میں پائے جانے والے مخفی عیوب، جیسے ثقہ روای کو وہم لگ جانا اور اس نوع کی مختلف انواع وغیرہ پر بے شمار بحثیں پیش فرمائی ہیں۔ ان مخفی عیوب کا سند کی طرح متن حدیث میں بھی کثرت سے وجود نظر آتا ہے۔ ایک محقق کو جہاں روایت کی تحقیق میں ظاہری بیماریوں کی معرفت ہونی چاہئے، وہاں روایت سے متعلقہ مخفی عیوب کا بھی عمیق مطالعہ ہونا چاہئے، ورنہ ایسا محقق سطحی نظر رکھنے والا شخص شمار ہو گا۔ اس بحث کو محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ظاہری بیماریوں کے بالمقابل زیادہ اہمیت دی ہے، کیونکہ یہ بیماریاں عام طور پر ثقہ راوی سے وہم کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں اور وہم ایک نہایت حساس بحث ہے، کیونکہ وہم کو وہم کے مطابق مقام دینا خود کافی محتاط چیز ہے، جس میں سطحی نظر رکھنے والا 'وہم' کو جب 'ظن' کی اصطلاح کی مانند استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے تو اس وجہ سے کئی قسم کے پیچیدہ مسائل جنم لیتے ہیں اور ایسے شخص کو ماہرین نفسیات وہمی قرار دیتے ہیں، جو کہ ایک مرض ہے۔ چنانچہ اس دقیق بحث کے ماہر عام محدثین کے بجائے جہابذہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم ہی ہوتے ہیں۔

کسی خبر کو قبول کرنے کے لیے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں پانچ شرائط ہیں۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ روایت جہاں ظاہری عیوب سے پاک ہو وہاں مخفی عیوب سے بھی پاک ہونی چاہیے۔ اسے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اپنی تعبیرات میں 'نفی علت' کی شرط سے پیش کرتے ہیں۔ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں 'علت' کی تعریف میں دو چیزیں شامل ہیں:

① علت ایک مخفی عیب ہوتا ہے۔

② اور وہ قادح بھی ہوتا ہے۔

اگر ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک شے بھی نہ پائی جائے تو وہ علت، اصطلاحی علت نہیں کہلائے گی۔[1] معلول حدیث کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے تین قول ہیں:

① محدثین رحمۃ اللہ علیہم بسا اوقات لفظ 'علت' کو انتہائی عام معنی میں ہر قسم کے عیب کے لیے استعمال کرتے ہیں، چنانچہ اس تعبیر کے مطابق 'کذب راوی'، 'غفلتِ راوی' یا 'سوئے حفظ' وغیرہ کی وجہ سے ضعیف

---

[1] القاري، علي بن سلطان محمد، شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر: 1/ 459، دار الأرقم، بيروت؛ تيسير مصطلح الحديث: ص 99

ہونے والی ہر روایت کو محدثین کرام رحمہم اللہ 'معلول' کہہ دیتے ہیں۔

② 'علت' کی اصطلاح کو بسا اوقات محدثین رحمہم اللہ غیر اصطلاحی معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں، چنانچہ وہ نہ شے مخفی ہوتی ہے اور نہ قادح مثلاً راویوں کا ایسا اختلاف جو صحت حدیث میں قدح کا باعث نہیں ہوتا، جیسے وہ حدیث جسے ثقہ موصول روایت کرتا ہے، اسے مرسل روایت کر دینا۔ اس بنیاد پر بعض محدثین کرام رحمہم اللہ نے یہ جملہ بولا ہے:

"من الحديث الصحيح ما هو صحيح معلل."[1]

③ 'حدیث معلول' کی عام تعریف جو کتب اصول میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ جس روایت میں کسی ثقہ راوی کی طرف وہم کی نسبت کی جائے، اس روایت کو 'معلول' کہتے ہیں۔[2]

ایک چیز کی گہرائی میں اترا جائے تو بسا اوقات ایک چیز جو بظاہر بے عیب نظر آتی ہے، در حقیقت وہ عیب دار ہوتی ہے۔ لیکن جب کسی چیز کی گہرائی میں اترا جاتا ہے تو مسئلہ کے عمیق ہونے کی وجہ سے علماء میں اختلاف نظر ایک عام بات ہے۔ چنانچہ جن کی نظر میں وہ مخفی چیز باعث اشکال ہوتی ہے ان کی نظر میں وہ روایت معلول ہوتی ہے اور جن کی نظر میں وہ اشکال نہیں ہوتا یا اشکال کا حل سامنے ہوتا ہے ان کی نظر میں وہ روایت معلول نہیں ہوتی۔

مزید واضح ہونا چاہیے کہ راوی کے بارے میں وہم کا فیصلہ عموماً اس قسم کے امور سے پتہ چلتا ہے، جیسے متنِ حدیث کا صریح دینی معلومات سے متعارض ہو جانا۔ لیکن جو حدیث صحت سند سے ثابت ہو جائے، پھر اس میں اس قسم کا عیب پایا جائے، تو اس کے بارے میں عام امکان یہی ہے کہ اگر ایک محدث کو ایک شے محلِ اشکال معلوم ہوتی ہے تو دوسرا کوئی محدث بہر حال اسے حل کر دے گا۔ چنانچہ سمجھنا چاہیئے کہ روایات میں تعارض کی بحث ایسی نہیں کہ اس کی بنیاد پر کہا جا سکے کہ اس حدیث کے ضعف کی وجہ محض 'ٹکراؤ' ہے، ہم آگے چل کر واضح کریں گے کہ عام طور پر اصولیین 'علّت' اور 'شاذ' کی بحث کو قبول حدیث کی شرائط میں اضافی تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ بسا اوقات جب یہ حتمی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ روایت میں ثقہ راوی سے بشری تقاضا کے مطابق واقعتاً غلطی ہو گئی ہے اور روایت میں اشکال اسی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے تو پھر اس غلطی (وہم) کی نسبت راوی کی طرف کیے جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ الغرض 'علل الحدیث' فن حدیث کی گہری ترین بحث ہے اور اس کے ماہرین کبار محدثین رحمہم اللہ ہوتے ہیں۔ اس لئے فن حدیث کی معتبر کتابوں میں اس بحث کو کافی نکھار سے پڑھنے اور واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

---

1 أيضاً: ص99

2 فتح المغيث: 1/ 273؛ تيسير مصطلح الحديث: ص98

اہم فوائد

① جس طرح ایک ماہر سرجن صرف بیماری کی ظاہری علامات سے مرض تک نہیں پہنچتا، بلکہ اس کی نظر اپنے وسیع فنی تجربہ اور ذوق کی روشنی میں بیماری کے پیچھے موجود مخفی عیوب پر بھی ہوتی ہے۔ عین اسی طرح فن محدثین رحمہم اللہ میں روایات کے ضعف کی ایک نوعیت تو وہ ہوتی ہے جس کا تعلق ظاہری سقم کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن روایت کو محدثین عظام رحمہم اللہ کے ہاں ان مخفی عیوب کی بنا پر بھی پرکھا جاتا ہے، جن کا استدراک صرف ماہرین فن اور کبار محدثین رحمہم اللہ ہی کر سکتے ہیں۔ فن حدیث میں اس بحث کو علل الحدیث کا نام دیا گیا ہے۔ الغرض علل الحدیث کی بحث میں تحقیق روایت کا طویل تجربہ رکھنے والے ان اکابر محدثین رحمہم اللہ کے ذوقِ فن کا اظہار ہوتا ہے، جن کا اوڑھنا بچھونا تحقیق حدیث میں گزرتا ہے اور وہ اِمامت کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اِمام سیوطی رحمہ اللہ نے ''عين الإصابة'' میں، اِمام ابن قیم رحمہ اللہ نے ''المنار المنيف'' میں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ جیسے ''موضوعات'' پر مستقل قلم اٹھانے والے بعض دیگر حضرات نے اس فنی ذوق سے متعلق محدثین کرام رحمہم اللہ سے منقول بعض اہم علامات ضعف اپنی کتب میں جمع فرمائی ہیں۔ لیکن واضح رہنا چاہیے کہ منکرین حدیث اور متجددین کے ذوقی تصورات اور اکابر محدثین رحمہم اللہ کے فنی ذوق کا اساسی فرق یہ ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ کے ذوق کا تعلق علم الروایہ کی اس گہری واقفیت اور عملی تجربہ سے ہے جو کہ طویل مدت کے بعد اس فن میں سر کھپانے کے بعد ان کو حاصل ہوتا ہے، نا کہ یہ علم حدیث کے علاوہ دیگر دینی یا دنیوی علوم یعنی سائنس، فلسفہ، تاریخ، قضا اور فقہ واجتہاد وغیرہ کا وہ ذوق ہے، جس کے حاملین آج کل کے جدید مفکرین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ 'علت' سے محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں سائنسی، تاریخی، فلسفیانہ مذاق مراد نہیں، بلکہ فن محدثین رحمہم اللہ سے گہری آشنائی کا ذوق ہے۔ ایک تجربہ کار محدث تحقیق روایت میں اس فنی ذوق سے بہترین فائدہ اٹھاتا ہے۔ اپنے رسوخ فی العلم اور طویل تجربہ و معلومات کی روشنی میں ایک ماہر عالم حدیث کا کسی اجنبی شے پر ٹھٹک جانا اور اس فن سے رسمی واقفیت رکھنے والے شخص کا کسی بات پر اٹک جانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جس طرح ڈاکٹر ایک طالب علم کو بسا اوقات بیماری کی نوعیت سمجھا نہیں سکتا، عین اسی طرح 'علل الحدیث' کا معاملہ ہے اور بسا اوقات ماہرین فن ایک حدیث کی کمزوری کو خود تو سمجھتے ہیں، البتہ اس فن کی گہرائیاں ناآشناؤں کو نہیں پہنچا سکتے۔ جیسا کہ ابھی چند صفحات قبل اسی حوالے سے امام ابو داؤد سجستانی رحمہ اللہ کا قول اہل مکہ کے حوالے سے گذرا۔

② ضبط کی وجہ سے طعن فی الراوی کی پانچ قسمیں ہیں:

1۔ سوئے حفظ 2۔ فحش الغلط 3۔ کثرت غفلت 4۔ وہم راوی 5۔ مخالفت ثقات

پھر 'مخالفت ثقات' کی اقسام میں سے 'ادراج'، 'قلب' اور 'اضطراب' وغیرہ شامل ہیں۔ پہلے دو اسباب کا وقوع

راوی کو مطلقاً ضعیف بنا دیتا ہے، جبکہ آخری تین کا کثرت سے وقوع راوی کو ضعیف بناتا ہے۔ کبھی کبھی وہم یا کبھی کبھی غفلت یا کبھی کبھی اختلافِ ثقات راوی کو ضعیف نہیں بناتا، بلکہ روایت کو ضعیف بناتا ہے۔ وہم یا غفلت جاننے کا عام ذریعہ محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں اختلاف ثقات یا اختلاف روایات ہی ہیں۔ چنانچہ جب کوئی محدث یہ کہتا ہے کہ یہ روایت فلاں عیوب کی وجہ سے، مثلاً اس کے راوی کو وہم ہوا ہے، ضعیف ہے، تو اس کا قطعی مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ روایت سنداً صحیح ہے، لیکن مختلف روایات میں تطبیق نہ ہوسکنے کی وجہ سے محدث نے اس روایت کو راوی کا وہم قرار دیا ہے، چنانچہ راوی پر وہم وغیرہ کا الزام در حقیقت ضعف سند یا ضعفِ راوی کی وجہ سے نہیں بلکہ محدث کی اپنی نارسائی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا محدث دونوں روایات جمع کر دے تو وہم کا یہ دعویٰ ختم ہو جاتا ہے۔

③ اِمام ترمذی رحمہ اللہ (متوفی 279ھ) نے 'علل الحدیث' پر جو کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس میں وہ 'معلول روایت' کو غیر معمول بہا صحیح روایت کی قسم میں شمار کرتے ہیں۔[1] اور جیسا کہ معلوم ہے کہ مرجوح یا منسوخ روایت غیر معمول بہا صحیح روایات کی اقسام ہیں، اسی لیے اِمام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی تعبیرات میں نسخ تک کو 'علت' کا نام دیا ہے۔[2] اِمام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'العِلَل' میں متقدمین ائمہ کے ہاں جو روایات معلول تھیں وہ سب جمع کر دی ہیں۔ اور پھر جن اشکالات کی وجہ سے محدثین کرام رحمہم اللہ نے ان روایات کو معلول کہا تھا، ان کو حل فرمایا ہے۔ اِمام ترمذی رحمہ اللہ کے بقول صرف دو روایات کتب حدیث میں ایسی ہیں جن کی علت (اِشکال) وہ حل نہیں کر سکے۔[3] ان میں سے پہلی روایت ہے:

« ومن شرب الخمر رابعا فاقتلوه »
"جو چوتھی مرتبہ شراب پیے اسے قتل کر دو۔"

جبکہ دوسری روایت ہے:

« جمع رسول الله ﷺ بلا سفر و مطر ومرض »
" اللہ کے رسول ﷺ نے سفر، بارش اور بیماری کے بغیر بھی دو نمازوں کو جمع کیا ہے۔"

دلچسپ امر یہ ہے کہ خود اِمام ترمذی رحمہ اللہ نے ان دونوں روایات کو اپنی 'جامع سنن' میں حسن، صحیح قرار دیا ہے۔ اور دوسری طرف جن دو روایات کے اشکال کو اِمام ترمذی رحمہ اللہ بھی حل نہیں کر پائے، دیگر علماء نے ان

---

1 الحنبلي، زين الدين عبد الرحمن بن أحمد، شرح علل الترمذي: 1/49، مكتبة المنار، الأردن، الطبعة الأولى، 1987م

2 تيسير المصطلح الحديث: ص126

3 جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب في فضل الشام واليمن: 6/230

دونوں کو بھی حل کر دیا ہے۔ چنانچہ پہلی روایت کے بارے میں علماء نے واضح کیا ہے کہ شراب پینے والے کو کوڑے وغیرہ مارنا اول تو 'حد' کے قبیل ہی سے نہیں، بلکہ تعزیری سزا کے طور پر ہے، جبکہ تعزیری سزا کے طور پر کسی کو قتل کرنا محلِ اختلاف امر نہیں ہے۔[1]

دوسری روایت کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 728ھ) نے اپنے رسالہ 'قیاس' میں اس روایت پر مستقل بحث کی ہے اور واضح کیا ہے کہ مقاصد و مصالح دین کی روشنی میں سفر، بارش اور مرض کے علاوہ شرعی عذر کی صورت میں بھی "جمع بين الصلاتين" جائز ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث انہی دیگر عذروں کے بیان پر مشتمل ہے۔

'علت' کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اب ہم 'معلول روایت' کی فن حدیث سے متعلقہ عام تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

'معلول روایت' کی تعریف

'علت' خفیہ طور پر حدیث کو متاثر کرنے والے سبب اور اشکال کا نام ہے۔ جس روایت میں علت ہو اسے معلول یا معلّل کہا جاتا ہے۔ معلول حدیث کی تعریف کے ضمن میں اِمام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 405ھ) رقمطراز ہیں:

"فإن المعلول ما يوقف على علته أنه دخل حديثا في حديث أو وهم فيه راو أو أرسله واحد فوصله واهم."[2]

"معلول حدیث وہ ہوتی ہے جس کی علت کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ راوی نے ایک حدیث کو دوسری میں داخل کر دیا ہے یا راوی کو اس میں وہم ہوا ہے یا ایک راوی نے تو اسے مرسل بیان کیا ہے، مگر جسے وہم ہوا ہے وہ اسے موصول بیان کر رہا ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"علة الحديث يكثر في أحاديث الثقات أن يحدثوا بحديث له علة فيخفى عليهم علمه فيصير معلولا."[3]

"عللِ حدیث عام طور پر ثقہ راویوں کی احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ وہ کوئی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں، جس

---

1 ندوی، مجیب اللہ، اجتہاد اور تبدیلی احکام: ص116-135، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س ن

2 الحاكم، أبو عبد الله، معرفة علوم الحديث: 1/141، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، 1977م

3 معرفة علوم الحديث: ص 119

میں علت (اشکال) ہوتی ہے مگر وہ 'علت' ان پر مخفی ہوتی ہے تو وہ حدیث معلول ہو جاتی ہے۔"

اِمام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ معلول حدیث کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

"هو الحديث الذي اطلع فيه علة تقدح في صحته مع أن الظاهر السلامة منها."[1]

"وہ حدیث جس میں کسی علت (اشکال) کی وجہ سے اس کی صحت مجروح ہو جائے، حالانکہ ظاہر میں کوئی خرابی معلوم نہ ہو۔"

اگر علت متن روایت میں ہو، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

① علت صرف متن میں ہو تو اسے معلّل المتن کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ: «الطيرة من الشرك وما منا إلا، ولكن الله يذهبه بالتوكل»[2]

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو یہ وہم لاحق ہو سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو توکل کے ذریعے دور کر دیتا ہے۔"

اس روایت کے متن میں ایک خفیہ علت ہے، جس کی وجہ سے یہ روایت معلول ہے۔ علت متن کے ان الفاظ "وما منا إلا" میں ہے۔ اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 256ھ) فرماتے ہیں:

"سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 224ھ) مذکورہ متن کے ان الفاظ "وما منا إلا ولكن الله يذهبه بالتوكل" کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول کہا کرتے تھے اور اس بات کی تائید کہ مذکورہ متن معلّل ہے اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس روایت کو ایک بڑی جماعت نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس اضافے کے بغیر روایت کیا ہے۔"[3]

② علت سند و متن دونوں میں ہو تو ایسی روایت کو معلّل السند والمتن کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

ثنا بقية بن الوليد ثنا يونس بن يزيد عن الزهری عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: «من أدرك ركعة من صلاة الجمعة أو غيرها فقد أدرك الصلاة»[4]

"یعنی جس نے نماز جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز باجماعت پالی۔"

اِمام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 327ھ) اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

---

1. أيضاً: ص 112
2. مسند أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: 1471
3. القزويني، أبو عبد الله محمد بن يزيد، سنن ابن ماجة، كتاب الطب، باب من كان يعجبه الفال ويكره الطيرة: 3538، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م
4. المباركفوري، أبو العلاء محمد عبد الرحمن، تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب فيمن يدرك من الجمعة ركعة: 4/287، دار الكتب العلمية، بيروت

''اس کی سند اور متن دونوں میں غلطی موجود ہے۔ بلاشبہ اس روایت کو تو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 125ھ) نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز کو پالیا۔ ''اور جہاں تک ان الفاظ میں ''من صلاۃ الجمعۃ'' کا تعلق ہے تو یہ حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ پس راوی کو سند اور متن دونوں میں وہم ہوا ہے۔'' [1]

'علم علل الحدیث' کی دقت

عللِ حدیث کی معرفت نہایت دقیق علم ہے، یہ ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ماہرین کی تعداد بہت کم ہے اور صرف ماہر محدثین رحمہم اللہ ہی اس کے ماہر ہیں۔ حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''إعلم أن معرفة علل الحديث من أجل علوم الحديث وأدقها وأشرفها وإنما يطلع بذلك أهل الحفظ والخبرة والفهم الثاقب.'' [2]

''عللِ حدیث کی معرفت علومِ حدیث میں سب سے دقیق اور اشرف علم ہے، یہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جسے قوتِ حافظہ، وسعت علم اور روشن فہم حاصل ہو۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''وهو من أغمض أنواع علوم الحديث وأدقها، ولا يقوم به إلا من رزقه الله فهما ثاقبا وحفظا واسعا ومعرفة تامة بمراتب الرواة وملكة قوية بالأسانيد والمتون.'' [3]

''یہ علم علومِ حدیث کا نہایت دقیق اور مشکل ترین علم ہے، اس میں صرف اسی کو مہارت حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے روشن فہم، وسعت حفظ، مراتبِ رواۃ کی معرفتِ تامہ اور اسانید ومتون کی معرفت میں قوی ملکہ عطا فرمایا ہو۔''

'علل' کی شناخت کے لیے فنی ذوق کی ضرورت ہوتی ہے، اس حوالے سے علمائے حدیث کے مطابق جب تک تحقیق حدیث میں وسیع تجربہ موجود نہ ہو، یہ فنی ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 702ھ) فرماتے ہیں:

''فحاصله يرجع إلى أنه حصلت لهم لكثرة محاولة ألفاظ النبى ﷺ وهيئة نفسانية وملكة قوية

---

1. الرازى ابن أبي حاتم، أبو محمد عبد الرحمن بن محمد الحنظلى العلل لابن أبي حاتم: 432/2، مطابع الحميضي، الطبعة الأولى ، 2006ء
2. مقدمة ابن الصلاح :ص 187
3. أيضاً: ص 52

یعرفون بها ما یجوز أن یکون من ألفاظ النبوۃ وما لا یجوز."[1]

"حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی کثرت مشق سے ایک خاص قسم کی نفسی کیفیت حاصل ہوتی ہے، اور ایسا مضبوط ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کے ذریعہ نبوت کے الفاظ کی معرفت ہوتی ہے کہ وہ کیا ہیں اور کیا نہیں۔"

'علت' کی معرفت کے دس اصول

اَحادیث کی اسانید و متون بسا اوقات بظاہر صحیح نظر آتے ہیں، لیکن بعض مخفی اور غامض اسباب ان کی صحت میں قادح ہوتے ہیں۔ انہی اسباب کی جانچ پڑتال کے لئے محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے چند ایک قواعد وضع کئے ہیں۔ جنہیں ادراکِ علت کے قواعد کہا جاتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ یہ قواعد وضوابط محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے جرح و نقد کے دقیق تجربات، فہم ثاقب، وسعتِ نظر اور معرفتِ تام کے بعد ترتیب دیئے ہیں، لیکن علتوں کی پہچان سے عوام الناس تو کجا بعض اوقات اہلِ فن بھی قاصر رہتے ہیں۔ امام ابو داؤد السجستانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 275ھ) اپنے رسالہ "إلی أهل مکة" میں صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أنه ضرر علی العامة أن یکشف لهم کل ماکان من هذا الباب في مامضی من عیوب الحدیث."[2]

"نقائص حدیث پر مبنی علل اگر عوام اور مبتدی طلبہ پر عیاں کر دی جائیں تو وہ عموماً باعثِ ضرر ہوتی ہیں، کیونکہ ان کا علم سطحی ہوتا ہے۔"

اس کے علاوہ ماہر محدثین رحمۃ اللہ علیہم کو احادیث میں ایک خاص ذوق اور ملکہ حاصل ہو جاتا ہے جیسے صراف اصلی اور نقلی سکے میں فرق کرلیتا ہے، ایسے ہی وہ معلول اور غیر معلول حدیث میں فرق کرلیتے ہیں۔ ذیل میں معلول احادیث کے بارے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال جمع کر کے چند ایک اصول بیان کیے جا رہے ہیں کہ جن سے علم علل الحدیث کو منضبط صورت دی جاسکتی ہے۔

یہ کل دس اُصول ہیں:

1۔ تمام اَسانید کو جمع کرنا

ایک حدیث کی ہم معنی تمام روایات کو جمع کرلیا جائے، پھر ان کا مقارنہ اور موازنہ کیا جائے تو علت واضح ہو جاتی ہے۔

---

1 نزهة النظر: ص 75

2 السجستاني، أبو داؤد سلیمان بن الأشعث، رسالة أبي داؤد إلی أهل مکة وغیرهم في وصف سننه: ص 31، دارالکتب العربیة، بیروت

اِمام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 181ھ) فرماتے ہیں:

"إذا أردت أن تصح لك الحديث فاضرب بعضه ببعض."[1]

"جب کسی حدیث کی تصحیح و تنقیح کرنا چاہیں تو ان میں سے ہر ایک کو دوسری پر پیش کریں۔"

اسکی مثال درج ذیل روایت ہے کہ

يعلى بن عبيد الطنافسي عن سفيان ثوری عن عمرو بن دينار عن ابن عمر عن رسول الله ﷺ «البيعان بالخيار مالم يتفرقا»

"دو بیع کرنے والے جب تک جدا نہ ہوں تو آپس میں اختیار رکھتے ہیں۔"

مذکورہ سند میں ابو یعلیٰ (متوفیٰ 109ھ) نے سفیان ثوری (متوفیٰ 161ھ) سے عمرو بن دینار (متوفیٰ 126ھ) رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے بیان کیا ہے جبکہ سفیان ثوری کے اصحاب میں سے باقی ائمہ حفاظ اسے عبد اللہ بن دینار (متوفیٰ 127ھ) رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کرتے ہیں، نہ کہ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے۔[2]

2۔ ثقہ کی مخالفت

ایک شیخ سے دو راوی روایت کرتے ہیں۔ ایک راوی اس دوسرے راوی کی مخالفت کرتا ہے جو اس شیخ سے روایت کرنے میں زیادہ ثقہ ہے، تو وہ روایت معلول ہو گی۔

مثال: ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 327ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 264ھ) سے حدیث "جعفر عن ثابت عن عمرو عن أبي سلمة عن أُم سلمة أن النبي تزوجها" (الحدیث) کے متعلق سوال کیا تو میرے والد نے اور ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کے بجائے "حماد بن سلمة عن ثابت عن ابن عمر بن أبي سلمة عن أبيه عن النبي" والی سند زیادہ صحیح ہے۔[3]

3۔ راوی کی اپنی کتاب کی مخالفت

اگر راوی اپنی کتابت کے مخالف روایت کرے تو اس کی روایت بھی معلول ہو گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے "ابن عيينة عن سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن حسان بن بلال عن عمار «عن النبي ﷺ في تخليل اللحية»" کے بارے سوال کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ "ابن عیینہ (متوفیٰ

[1] البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي، الجامع الأخلاق الراوی و آداب السامع: 254/2، مكتبة المعارف، الرياض

[2] تدريب الراوی: ص 163

[3] العلل لابن أبي حاتم: 11/4

198ھ) عن ابن ابی عروبہ (متوفیٰ 157ھ) رحمۃ اللہ علیہ" کے سوا کسی نے بھی اسے بیان نہیں کیا۔ میں نے کہا کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا: اگر یہ صحیح ہوتی تو ابن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ کی مصنفات میں موجود ہوتی۔[1]

4۔ شیخ کی وضاحت کے باوجود اس کی طرف منسوب روایت

شیخ خود کسی خاص باب کے بارے میں وضاحت کر دے کہ مجھے اس باب میں کوئی روایت نہیں پہنچی، لیکن پھر بھی کوئی راوی اس شیخ سے اس خاص باب سے متعلق کوئی حدیث نقل کر دے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے "حماد ابن خالد الخیاط عن هشام بن سعيد عن الزهري عن عروة عن عائشة قالت لاطلاق إلا بعد نكاح" کے بارے سوال کیا۔ تو فرمایا یہ حدیث منکر ہے، کیونکہ اس روایت کو امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ جبکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے سلف سے اس قبیل سے کچھ بھی نہیں پہنچا، چنانچہ اگر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس "عن عروة عن عائشة" والی روایت ہوتی تو یوں نہ فرماتے۔[2]

5۔ راوی کا عدم سماع، لیکن شیخ کی کتاب سے روایت

اگر راوی شیخ سے خود نہ سنے بلکہ شیخ کی کتاب سے نقل کرے، تو بھی حدیث معلول ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے "معاذ بن هشام عن أبيه عن قتادة عن أبي قلابة عن خالد بن اللجلاج عن أبي عباس عن النبی ﷺ! رأيت ربي عزوجل.... و ذكر الحديث في إسباغ الوضوء ونحوه." کے بارے دریافت کیا تو میرے والد نے فرمایا، اسے الولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 195ھ) اور صدقہ بن خالد نے ابن جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم مکحول رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 113ھ) کے ساتھ تھے، وہاں سے خالد بن اللجلاج گزرے تو مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے ابو ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ! ہمیں کچھ بیان کریں، تو اس نے کہا:

حدثني ابن عايش الحضرمي عن النبی ﷺ!

میرے والد نے کہا کہ یہ اشتباہ ہے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 118ھ) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 104ھ) سے کچھ نہیں سنا سوائے چند حروف کے چنانچہ وہ ابی قلابہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 104ھ) کی کتاب سے نقل کرتے ہیں اس وجہ سے وہ عبد الرحمن بن عایش رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 118ھ) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان فرق نہیں کرتے۔[3]

---

[1] العلل الحديث لابن أبي حاتم: 1/ 405

[2] أيضاً: 1/422

[3] العلل الحديث لابن أبي حاتم: 1/20

6۔ثقات کی مخالفت

حدیث ثقات کی روایت کے مخالف ہو۔اس کی مثال یہ ہے کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا اور ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سوال کیا گیا کہ حدیث ''حسین المروزی عن جریر ابن حازم عن أیوب عن عکرمة عن ابن عباس أن رجلا زوّج ابنته وهی کارهة «ففرق النبی ﷺ بینهما.»''کے بارے دریافت کیا ہے۔والد صاحب نے کہا کہ یہ خطا ہے اس میں مخالفتِ ثقات ہے۔ثقات کی روایت میں یوں ہے: عن أیوب عن عکرمة أن النبی ﷺ قال ... الخ،[1] یہ روایت مرسل ہے۔ان ثقات میں ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 193ھ) اور حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 179ھ) وغیرہ کے ہاں یہ ہے کہ أن رجلاً تزوج ... الخ اور یہی درست ہے۔

7۔پوری جماعت کی مخالفت

راوی حدیث بیان کرنے میں اس قوم اور جماعت کی مخالفت کرے کہ جن میں وہ روایت مشہور و معروف ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ''عن ثوری عن عبید الله عن نافع عن ابن عمر قال کتب عمر إلی أمراء الاخبار أن لا یأخذ الجزیة إلا ممن جرت علیه المواصی.''
تو میرے والد نے کہا کہ ان میں سے بعض النافع عن اسلم بھی کہتے ہیں، میں نے کہا کہ دونوں میں سے کون صحیح ہے؟ تو والد صاحب نے کہا کہ اگرچہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حافظ ہیں لیکن اہل مدینہ نافع رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 117ھ) کی حدیث کو اہل کوفہ کی حدیث سے زیادہ جانتے ہیں۔[2]

8۔سیاق حدیث کا انکار

حدیث کا سیاق حدیث ہونے سے انکار کر دے۔ جیسے معمر عن الزهری عن أبی سلمة عن جابر فرماتے ہیں: ''إنما جعل رسول الله ﷺ الشفعة في کل مالم یقسم فإذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة.''، اب یہاں وقعت الحدود وصرفت الطرق فلاشفعة ایک الگ اور مستقل کلام ہے۔[3]

9۔واسطے کی صراحت

کسی راوی کے شیخ کی بیان کردہ تمام روایات کو جمع کر لیا جائے پھر اگر راوی ان روایات کے علاوہ کوئی روایت

---

[1] أیضاً: 60/4

[2] أیضاً: 1/10-311

[3] العلل لابن أبي حاتم: 4/ 244

بیان کرے تو دیکھیں گے اس واسطے کی صراحت ہے یا نہیں۔ اگر صراحت نہ ہو تو روایت غیر متصل ہو گی۔ مثلاً ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 234ھ) عن قیس بن أبی حازم کے بارے میں جو روایات ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے قیس سے لی ہیں انہیں جمع کر لیا جائے۔

10۔ کثرت ممارست رفنی ذوق

ماہر محدثین رحمۃ اللہ علیہم میں کثرت مشق اور رجال کی معرفت اور احادیث کے مفاہیم پر مکمل عبور اور اللہ کی خاص عنایت کی بنا پر ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کی بنا پر وہ روایت کے اندر علت کو جانچ لیتے ہیں۔ حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 795ھ) نے ذکر فرمایا ہے:

"حذاق النقاد من الحفاظ لكثرة ممارستهم للحديث ومعرفتهم للرجال وأحاديث كل واحد منهم لهم فهم خاص يفهمون به إن هذا الحديث يشبه حديث فلان ولا يشبه حديث فلان فيعللون الاحاديث بذلك."[1]

"نقاد حفاظ حدیث کو حدیث سے کثرتِ ممارست، معرفتِ رجال اور ان میں سے ہر ایک کی احادیث کی معرفت کی وجہ سے ایک خاص قسم کا فہم حاصل ہو جاتا ہے جس کے ذریعے وہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں کی حدیث کے مشابہ ہے اور یہ فلاں کی حدیث کے مشابہ نہیں، پس اس طرح سے وہ احادیث کو معلول قرار دیتے ہیں۔"

مثلاً امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 354ھ) فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ، یزید بن رومان رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 130ھ) اور اہل مدینہ العجائب کے بارے میں فرماتے ہیں اس کی حدیث ثقات کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔[2]

نوٹ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 405ھ) نے بھی ادراکِ علت کے سلسلے میں یہی دس قواعد بیان کئے ہیں، جن کی تلخیص امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔[3]

بحث ثالث: خبر مقبول میں شاذ اور علت کی شرائط کی نوعیت

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بلا شک وشبہ کسی حدیث کی صحت جانچنے کے لیے سند و متن ہر دو کی ضروری تحقیق کا اہتمام فرمایا ہے، اور ان کی خبر مقبول کی تعریف میں موجود شرائط خمسہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن واضح رہنا چاہیے کہ ان دونوں اجزاء کو پرکھنے کے اسالیب ان کے ہاں سو فیصد ایک جیسے نہیں بلکہ خبر میں راویوں کی بنیادی حیثیت کی وجہ سے راوی اور سند تو تحقیق میں 'اساس' کی حیثیت رکھتے ہیں، جبکہ شذوذ و علت کی

---

[1] سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في الشفعة: 3514

[2] القيسراني، أبو الفضل محمد بن طاهر، تذكرة الحفاظ، أطرف الحديث كتاب المجروحين لابن حبان: 17/2، دار المصميعي للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1994م

[3] تدريب الراوي: 1/167-169

تحقیق اگرچہ اپنے وسطی مراحل کے اعتبار سے براہ راست متن ہی سے متعلق ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود انتہاء کے اعتبار سے یہ دونوں آخری اصول بھی در حقیقت سند ہی کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ذیل میں اسی موضوع پر محدثین کرام اور اصولیین کے موقف کی روشنی میں یہ تجزیہ پیش کریں کہ نقدِ روایت کی اساسی شرائط صرف تین ہی ہیں۔ تاہم اس موضوع پر کچھ کہنے اور لکھنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'فن حدیث' سے متعلقہ بعض اہم مطالب کو اس موضوع کی تمہید کے طور پر پہلے ذکر کر دیا جائے، تاکہ موضوع زیر بحث کو مکمل واضح کیا جاسکے۔

مطلب اول: معمول بہ صحیح روایت اور غیر معمول بہ صحیح روایت کا فرق

محدثین کرام رحمہم اللہ صحیح حدیث کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

① معمول بہ صحیح روایت، یعنی قابل استدلال اور قابل عمل۔

② غیر معمول بہ صحیح روایت، یعنی نا قابل استدلال اور نا قابل عمل۔

غیر معمول بہ صحیح روایات کا اطلاق محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں درج ذیل قسم کی روایات پر کیا جاتا ہے:

① منسوخ روایت

② مرجوح روایت

③ متوقف علیہ روایت

جبکہ دیگر تمام قسم کی روایات یعنی جن روایات میں باہم تعارض نہ ہو، معمول بہا ہوں گی۔[1] اِمام شوکانی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1250ھ) اِرشاد الفحول میں اس دعویٰ کہ صحیحین میں کوئی بھی روایت ضعیف نہیں ہے، کے متصل بعد فرماتے ہیں:

"لانزاع في أن الخبر الواحد إذا وقع الاجماع على العمل فإنه يفيد العلم لأن الاجماع عليه قد صيرة من المعلوم صدقه، ومن هذا القسم أحاديث الصحيحين فإن الأمة تلقت ما فيهما بالقبول ومن لم يعمل بالبعض من ذالك فقد أوّله والتاويل فرع القبول."[2]

"اہل فن کے ہاں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب خبر واحد کے معمول بہ ہونے پر اجماع ہو جائے تو وہ بھی خبر متواتر کی مثل علم کا فائدہ دیتی ہے، کیونکہ اجماع اس کے بارے میں متعین کر دیتا ہے کہ وہ یقینی طور پر سچی خبر ہے۔ اسی قسم میں صحیحین کی احادیث ہیں، امتِ معصومہ نے ان دونوں کتابوں میں موجود تمام روایات

---

[1] تیسیر المصطلح الحدیث: ص 54-60

[2] الشوكاني، محمد بن علي، إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول: 1/138، دار الكتاب العربي، الطبعة الأولى، 1999م

کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ اور جن ائمہ نے صحیحین کی بعض روایات کو معمول بہ نہیں جانا وہ ان روایات میں تاویل کرتے ہیں اور جاننا چاہیے کہ تاویل قبولیت کی ہی فرع ہے۔''

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے صاف واضح ہے کہ صحیحین کی صحت پر پوری امت کا اجماع ہے، البتہ صحیحین کی بعض روایات معمول بہا نہیں، چنانچہ اس قسم کی روایات آئمہ کے ہاں صحیح تو ہیں البتہ معمول بہا نہیں۔ نیز فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا ان غیر معمول بہا روایات کے بارے میں بحث کرنا دراصل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے کام پر اعتماد کرتے ہوئے ان روایات کی صحت کو قبول کرتے ہیں، کیونکہ تاویل کی طرف جانے کا حتمی معنیٰ ہی یہ ہے کہ ان کے ہاں یہ روایات صحیح تھیں، ورنہ ان کے بارے میں یہ بحث کسی طور پر وہ نہ فرماتے۔

مطلب دوم: متوقف فیہ وضعیف روایت اور مرجوح وضعیف روایت کا فرق

ضعیف روایت وہ ہوتی ہے جس کی سند ضعیف ہو، جبکہ متوقف فیہ روایت (یعنی مرجوح روایت، جس میں راجح روایت کے بالمقابل دوسری روایت متوقف فیہ ہوتی ہے یا ترجیح نہ ہونے کی صورت میں دونوں روایات پر ہی توقف کیا جاتا ہے) ضعیف نہیں ہوتی بلکہ اہل علم تقصیر فہم کی وجہ سے اس سے استدلال نہیں کرتے، اس لئے ان کی نظر میں وہ قابل توقف ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی اور محدث اسے جمع کر دے، تو یہی متوقف فیہ صحیح روایت قابل استدلال ہو جاتی ہے۔ اگر اس قسم کی روایت کو ضعیف کہا جائے تو اعتراض وارد ہو گا کہ ضعیف اور صحیح میں جمع ہو بھی جائے، تب بھی ان کو جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ 'منکر' اور 'معروف' تو محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں 'مختلف الحدیث' کی قسم ہی نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ مرجوح یا متوقف فیہ روایت محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ضعیف نہیں بلکہ صحیح کی قسم ہوتی ہیں، البتہ معمول بہ اور قابل استدلال نہیں ہوتی۔[1]

توقف کی صورت عین وہی صورت ہے جیسا کہ ہماری عدالتوں میں بسا اوقات ایک کیس الجھاؤ کی صورت میں ایک مدت تک کے لیے موقوف (Pending) کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر گواہیاں اور قرائن ملنے کی صورت میں جب وہ الجھاؤ ختم ہوتا ہے تو کئی کئی سال پرانی فائلیں دوبارہ کھول لی جاتی ہیں۔

مطلب سوم: فن حدیث میں 'شاذ' اور 'ضعیف' کا فرق

لفظ شاذ کلام عرب میں نادر، قلیل الاستعمال، خلاف اصول وغیرہ کے مفہوم پر بولا جاتا ہے، لیکن لفظ 'ضعیف' کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی شے کا سقیم ہونا، کمزور ہونا، ردی ہونا۔

شاذ روایت ثقہ راوی کی ایسی حدیث ہوتی ہے جو دیگر ثقات یا اوثق سے اختلاف کی صورت میں وہ ذکر کرے، جبکہ ضعیف حدیث وہ ہوتی ہے جو اپنے رواۃ کے ضعف کی وجہ سے درجہ حسن کو نہ پہنچ سکے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں

[1] فتح المغیث: 1/19

کہ فن حدیث میں شاذ اور ضعیف روایت میں اہل فن فرق کرتے ہیں، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

مطلب چہارم: فن محدثین رحمہم اللہ اور فن فقہاء رحمہم اللہ کا فرق

اسلامی علوم میں 'فقہ' اور 'حدیث' دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ فنون کا نام ہے۔ ان کے ماہرین کو بھی مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ جو حضرات 'استنباط شریعت' اور فہم شریعت میں مہارت تامہ رکھتے ہوں ان کو فقہاء اور جو حضرات 'خبر و تحقیق خبر' میں دسترس کاملہ رکھتے ہوں ان کو محدثین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فقہ اور حدیث چونکہ الگ الگ فنون کا نام ہے اسی لیے ان کے ماہرین کے میدان کار بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اپنے اصول، تعریفات، موضوع، مقصود، تصنیفات، اصطلاحات، ثبوت و دلالت، طبقات رجال، کتب مصادر اور دیگر کئی اعتبارات سے ان دونوں علوم کے مابین واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر ششماہی 'رشد' کے سابقہ شمارہ میں راقم کا مکمل مضمون بعنوان: ''علم حدیث اور علم فقہ کا باہمی تعلق اور تقابل'' شائع ہو چکا ہے۔[1]

محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں قبول حدیث کی اساسی شرائط

مذکورہ تمام تمہیدی مباحث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ فن محدثین رحمہم اللہ کا محض موضوع 'تمییز الصحیح من السقیم' ہے یعنی خبر صحیح اور خبر سقیم میں امتیاز کرنا، جبکہ 'معمول بہ اخبار' کی بحث کا بنیادی تعلق اس سے بڑھ کر مزید اس بات سے بھی ہے کہ کون سی خبر قابل استدلال طور پر قبول ہو گی اور کون سی نہیں۔

واضح رہے کہ صحیح حدیث کی اساسی شرائط صرف تین ہیں، جبکہ 'خبر معمول' یا بہ الفاظ دیگر خبر مقبول کی پانچ شرائط ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موضوع 'صحت روایت' ہے، نا کہ قابل استدلال اور معمول بہا روایات کا جمع کرنا۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ (م256ھ) نے اپنی کتاب کا نام یوں تجویز فرمایا ہے: الجامع الصحیح المسند المختصر من أحادیث رسول اللہ ﷺ وسننه وأیامه....

جاننا چاہیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ (متوفیٰ 261ھ) کی کتابوں میں موجود روایات کی صحت پر امت کا اتفاق ہوا ہے، نا کہ ان میں پائی جانے والی تمام روایات کے معمول بہا اور قابل استدلال ہونے پر۔[2]

امام سیوطی رحمہ اللہ 'تدریب الراوی' میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

'' وَهُوَ مُشْكِلٌ؛ لِأَنَّ الْإِسْنَادَ إِذَا كَانَ مُتَّصِلًا وَرُوَاتُهُ كُلُّهُمْ عُدُولًا ضَابِطِينَ، فَقَدِ انْتَفَتْ عَنْهُ الْعِلَلُ الظَّاهِرَةُ. ثُمَّ إِذَا انْتَفَى كَوْنُهُ مَعْلُولًا فَمَا الْمَانِعُ مِنَ الْحُكْمِ بِصِحَّتِهِ؟ فَمُجَرَّدُ مُخَالَفَةِ أَحَدِ رُوَاتِهِ لِمَنْ هُوَ أَوْثَقُ مِنْهُ

---

[1] مدنی، حمزہ، حافظ، ڈاکٹر، علم حدیث اور علم فقہ کا باہمی تعلق اور تقابل، ششماہی رشد، جولائی 2015ء، لاہور، جلد 11 شمارہ 4، ص 41

[2] النکت علی کتاب ابن الصلاح: 1/372

أَوْ أَكْثَرُ عَدَدًا لَا يَسْتَلْزِمُ الضَّعْفَ، بَلْ يَكُونُ مِنْ بَابِ صَحِيحٍ وَأَصَحَّ.''[1]

''اور یہ بات علماء کے مابین مشکل کا باعث بنی ہوئی ہے کہ جب اِسناد متصل ہو اور روایت کے راوی عادل وضابط ہوں تو گویا کہ علل ظاہرہ کی خود بخود نفی ہوگئی۔ جب اس حدیث سے علل کی نفی ہوگئی تو اسے صحیح قرار دینے میں کیا مانع ہے؟ صرف اس کے رواۃ میں سے کسی ایک راوی کا اپنے سے اوثق راوی یا اکثر راویوں کی مخالفت کرنا اس حدیث کے ضعف کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ یہ صحیح اور اصح کے قبیل سے ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

''وَلَمْ يُرْوَ مَعَ ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيثِ اشْتِرَاطُ نَفْيِ الشُّذُوذِ الْمُعَبَّرِ عَنْهُ بِالْمُخَالَفَةِ. وَإِنَّمَا الْمَوْجُودُ مِنْ تَصَرُّفَاتِهِمْ تَقْدِيمُ بَعْضِ ذَلِكَ عَلَى بَعْضٍ فِي الصِّحَّةِ. وَأَمْثِلَةُ ذَلِكَ مَوْجُودَةٌ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا.''[2]

''متقدمین ائمہ حدیث میں سے کسی ایک سے بھی صحت حدیث کے لئے عدمِ شذوذ کی شرط منقول نہیں ہے، جس میں ٹکراؤ اور مخالفت کی وجہ سے روایت کو ضعیف تعبیر کیا گیا ہو۔ یہ شرط صرف حدیث کی صحت میں بعض احادیث کو بالمقابل متعارض حدیث پر مقدم (راجح) کرنے کے حوالے سے موجود ہے۔ صحیحین وغیرہ میں اس نوع کی کئی امثلہ موجود ہیں۔''

اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو اپنی کتب میں درج کیا ہے اور ائمہ فن ان روایات کو ضعیف قرار دیے بغیر صحیحین کی ان روایات کی صحت پر بھی ماہرین فن کا اتفاق نقل کرتے ہیں۔ البتہ ان روایات پر توقف کرتے ہوئے ان کو قابل استدلال اور معمول بہا نہیں سمجھتے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ خود ہی اپنی بات کے نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' فَإِنْ قِيلَ: يَلْزَمُ أَنْ يُسَمَّى الْحَدِيثُ صَحِيحًا وَلَا يُعْمَلَ بِهِ - قُلْتُ: لَا مَانِعَ مِنْ ذَلِكَ، لَيْسَ كُلُّ صَحِيحٍ يُعْمَلُ بِهِ، بِدَلِيلِ الْمَنْسُوخِ.''[3]

''اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی بات سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بعض احادیث صحیحہ غیر معمول بہا بھی ہوتی ہیں، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ بلاریب وشک ایسا ہی ہے اور اس بات کو تسلیم کرنے میں مانع بھی کیا ہے کیونکہ ہر صحیح حدیث کے لیے ضروری بھی نہیں کہ وہ معمول بہا بھی ہو، جیسے منسوخ روایات وغیرہ۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذکورہ دعویٰ کے حوالے سے 'النکت' میں امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کی خبر مقبول کی تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے واضح طور پر فرماتے ہیں:

'' "ولا شاذا ولا معللا" فيه نظر على مقتضى مذاهب الفقهاء؛ فإن كثيرا من العلل التي

---

1 تدریب الراوی: 1/64

2 تدریب الراوی: 1/64

3 أیضاً: 1/65

يعلل بها المحدثون لا تجري على أصول الفقهاء. "[1]

"حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ کا اپنی کتاب 'علوم الحدیث' میں خبر مقبول کی تعریف کے ضمن میں مطلقاً دو شرائط یعنی "ولا شاذا ولا معللا" کو زیادہ کرنا مذاہب فقہاء کے روسے محل اشکال ہے، کیونکہ متعدد علتیں ایسی ہیں جنہیں محدثین علل شمار کرتے ہیں جبکہ اصول فقہاء کے مطابق وہ علل شمار نہیں کی گئیں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرح امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ بھی علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (م702ھ) کی طرف سے تصریحاً فرماتے ہیں: "إِنَّ أَصْحَابَ الْحَدِيثِ زَادُوا ذَلِكَ فِي حَدِّ الصَّحِيحِ. "[2]

"صحت حدیث کی شرائط خمسہ میں سے 'نفی شذوذ' اور 'نفی علل' کی یہ شرائط اصحاب الحدیث نے صحیح حدیث کی تعریف میں زیادہ کی ہیں۔"

کبار ائمہ حدیث میں سے امام خطابی رحمہ اللہ (متوفیٰ 388ھ) بھی صراحت کے ساتھ 'نفی شذوذ' اور 'نفی علل' کی شروط کو صحیح حدیث کی شرط میں داخل نہیں فرماتے۔[3]

امام سخاوی رحمہ اللہ امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ کی نسبت سے بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"عَلَى أَنَّ شَيْخَنَا مَالَ إِلَى النِّزَاعِ فِي تَرْكِ تَسْمِيَةِ الشَّاذِّ صَحِيحًا، وَقَالَ: غَايَةُ مَافِيهِ رُجْحَانُ رِوَايَةٍ عَلَى أُخْرَى، وَالْمَرْجُوحِيَّةُ لَا تُنَافِي الصِّحَّةَ، وَأَكْثَرُ مَا فِيهِ أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ صَحِيحٌ وَأَصَحُّ، فَيُعْمَلُ بِالرَّاجِحِ وَلَا يُعْمَلُ بِالْمَرْجُوحِ ; لِأَجْلِ مُعَارَضَتِهِ لَهُ، لَا لِكَوْنِهِ لَمْ تَصِحَّ طَرِيقُهُ. وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذَلِكَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ بِالضَّعْفِ، وَإِنَّمَا غَايَتُهُ أَنْ يُتَوَقَّفَ عَنِ الْعَمَلِ بِهِ، وَيَتَأَيَّدُ بِمَنْ يَقُولُ: (صَحِيحٌ شَاذٌّ) كَمَا سَيَأْتِي فِي الْمُعَلِّ. وَهَذَا كَمَا فِي النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوخِ سَوَاءٌ، قَالَ: وَمَنْ تَأَمَّلَ الصَّحِيحَيْنِ، وَجَدَ فِيهِمَا أَمْثِلَةً مِنْ ذَلِكَ. "[4]

"اس نزاع میں ہمارے شیخ کا میلان شاذ حدیث کو ضعیف کہنے کی بجائے صحیح کہنے کی جانب ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس نزاع کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک روایت کو دوسری روایت پر راجح قرار دے دیا گیا ہے، جبکہ کسی روایت کی مرجوحیت صحت کے منافی نہیں ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں متعارض روایتوں میں سے ایک صحیح اور دوسری اصح ہے۔ پس دو متعارض روایات میں راجح پر عمل کر لیا جائے اور مرجوح پر نہ کیا جائے، اور اس 'صحیح روایت' کا غیر معمول بہ ہونا محض تعارض کی وجہ سے ہے، نا کہ روایت کی عدم صحت کی وجہ سے۔ اس تعارض سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ ہم مرجوح روایت کو ضعیف کہیں،

---

1 النکت علی کتاب ابن الصلاح: 2/ 653-654

2 تدریب الراوی: 1/ 63

3 فتح المغیث: 1/ 17

4 أیضاً: 1/ 19

زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کرنے سے توقف کیا جائے گا۔ بعض اہل فن کے ہاں " ھذا حدیث صحیح شاذ" کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے، جیسا کہ حدیث معلول کی بحث میں آئندہ مزید وضاحت آئے گی۔ مرجوح اور متوقف فیہ روایت کی شکل منسوخ روایت ہی کی طرح ہے کہ وہ بھی صحیح ہونے کے باوجود غیر معمول بہ ہوتی ہے۔ جو شخص صحیحین پر غور کرے گا اسے وہاں اس قسم کی غیر معمول بہ صحیح روایات کی کافی مثالیں مل جائیں گی۔"

یاد رہے کہ جیسا کہ ہم نے امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے شاذ کا یہ استعمال کہ "ھذا حدیث صحیح شاذ" اوپر نقل فرمایا ہے، اسی طرح پیچھے علت کی بحث میں بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ بعض محدثین علت کو بھی شاذ کی طرح صحیح غیر معمول بہ حدیث کے لئے استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں یہ تعبیر ملتی ہے: "من الحدیث الصحیح ما هو صحیح معلل."[1]

یہی وجہ ہے کہ متاخرین ائمہ اصول حدیث میں سے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جب حدیث صحیح کی تعریف لکھی تو صرف پہلی تین اساسی شرائط ہی کو بیان کیا ہے اور باقی دو شرائط کو تعریف میں شامل نہیں فرمایا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هو ما دَارَ على: عَدْلٍ، مُتْقِنٍ، واتَّصَلَ سَنَدُه. فإن كان مُرسَلاً، ففي الاحتجاج به اختلاف. وزاد أهلُ الحديث: سلامتَهُ مِن الشذوذِ، والعِلَّة. وفيه نَظَرٌ على مُقتَضَى نظر الفقهاء، فإنَّ كثيراً من العِلَل يأبَوْنها."[2]

"صحیح حدیث وہ ہے جس کا مدار عادل اور ضابط راوی پر ہو اور اس کی سند متصل ہو، اگر وہ مرسل ہو تو اس کی حجیت میں اختلاف ہے، محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے دو شرائط زائد بیان کی ہیں کہ وہ شذوذ اور علت سے بھی محفوظ ہو، اور فقہاء کے نکتہ نظر سے ان شرائط کو زائد کرنا محل نظر ہے، کیونکہ وہ کئی ایسی علل جو محدثین کے ہاں علل شمار ہوتی ہیں انہیں قابل حل ہونے کی وجہ سے علت شمار نہیں کرتے۔"

خبر مقبول میں نفی علت کی شرط کی نوعیت کیا ہے؟ اس ضمن میں پیچھے گزر چکا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 279ھ) نے 'علل الحدیث' پر جو کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس میں وہ 'معلول روایت' کو غیر معمول بہا صحیح روایت کی قسم میں شمار کرتے ہیں[3] امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'العِلَل' میں متقدمین آئمہ کے ہاں جو روایات معلول تھیں وہ سب جمع کر دی ہیں اور پھر جن اشکالات کی وجہ سے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان روایات کو معلول

---

[1] تیسیر مصطلح الحدیث: ص 99

[2] الذهبي، أبو عبد الله، شمس الدين، محمد بن أحمد، الموقظة: ص 24، مكتبة المطبوعات الإسلامي، بحلب، الطبعة الثانية، 1412هـ

[3] الحنبلي، زين الدين عبد الرحمن بن أحمد، شرح علل الترمذی: 1/49، مكتبة المنار، الزرقاء، الأردن، الطبعة الأولى، 1987م

کہا تھا، ان کو حل فرمایا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول صرف دو روایات کتب حدیث میں ایسی ہیں جن کی علت (اِشکال) وہ حل نہیں کر سکے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جَمِيع مَا فِي هَذَا الْكتاب من الحَدِيث فَهُوَ مَعْمُول بِهِ وَقد أخد بِهِ بعض أهل الْعلم مَا خلا حديثين حَدِيث بن عَبَّاس أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جمع بَين الظّهْر وَالْعصر بِالْمَدِينَةِ وَالْمغْرب وَالْعشَاء من غير خوف وَلَا سفر وَلَا مطر وَحَدِيث النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَنه قَالَ إِذا شرب الْخمر فاجلدوه فَإِن عَاد فِي الرَّابِعَة فَاقْتُلُوهُ''[1]

''اس کتاب میں موجود تمام احادیث معمول بہ ہیں اور بعض اہل علم نے ان سے اخذ کیا ہے، سوائے دو احادیث کے، جن میں سے ایک حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس کی ہے جس میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خوف، بارش اور سفر کے بغیر ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا، اور دوسری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو، اگر وہ چوتھی بار بھی پیے تو اسے قتل کر دو۔''

مذکورہ دونوں معلول روایات کو امام البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

اس سلسلہ میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ ضعیف روایت کی 'اساسات' کے ضمن میں بھی اگر دیکھ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ صحیح روایت کی 'اساسی شرائط' بھی تین ہیں، کیونکہ ضعیف حدیث کے اسباب ماہرین فن کے ہاں یہ تین ہیں:

① عدالت راوی کے طعن کی وجہ سے روایت کا ضعیف ہونا۔

② ضبط راوی کے طعن کی وجہ سے روایت کا ضعیف ہونا۔

③ انقطاع سند کے لحاظ سے روایت کا ضعیف ہونا۔

مزید بر آں معلول اور شاذ احادیث کتبِ فن میں 'راوی کے ضبط میں طعن' کے تحت ہی ذکر کی جاتی ہیں۔ یعنی اگر روایت میں راوی وہم کا شکار ہو یا دیگر ثقات سے اختلاف کر رہا ہو، تو ایسی روایت کو محدثین کرام رحمہم اللہ 'معلول' یا 'شاذ' کہتے ہیں۔ چنانچہ جب صحت حدیث کے لیے شرط لگا دی کہ اس میں راوی 'ضابط' ہونا چاہیے، تو اس میں از خود 'نفی شذوذ' اور 'عدم علت' کا ذکر آ گیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے صحیح حدیث کی شرائط خمسہ میں سے آخری دو شرائط کو مکرر ذکر کیا ہے، تا کہ تحقیق روایت کے ضمن میں براہ راست متن سے

---

1 الترمذي، أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، العلل الصغير: ص 736، تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان

2 جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين: 187، أبواب الحدود، بَابُ مَا جَاءَ مَنْ شَرِبَ الخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ، وَمَنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ: 1444

متعلق تحقیق کا بھی جائزہ لے لیا جائے، اگرچہ یہ الگ بات ہے کہ روایت کی نقل کا مرکزی کردار چونکہ راوی ہوتا ہے، اس لیے راوی کو نکال کر تحقیق روایت کا ہر دعویٰ باطل ہے۔

الغرض تحقیق روایت کے تمام تر اسالیب میں بہر حال تحقیق کا آخری مدار راوی یا سند ہی ہو گی۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے معروف زمانہ کتاب 'الرسالۃ' میں تحقیق حدیث کے ضمن میں راویانِ حدیث کو شاہدینِ واقعہ کی مثل قرار دیا ہے اور ان کے ہاں 'سند' کی اہمیت اسی طرح ہے جس طرح عدالت میں کسی حق کے اثبات یا کسی کو مجرم قرار دینے کے لیے واحد ذریعہ گواہان ہوتے ہیں، جبکہ قرائن کو گواہان کے ساتھ معاون کے طور پر ہی استعمال کیا جاتا ہے، نا کہ فیصلہ کی اصل بنیاد کے طور پر۔[1]

دنیا میں کسی شے کے علم کے حوالے سے ہمارے پاس صرف حواس یا عقل موجود ہیں۔ حواس کے ذریعے سامنے موجود امور سے اور عقل کے ذریعے حاصل شدہ معلومات کو باہم ترتیب دے کر مختلف نتائج اخذ کر کے ہم ایک محدود علم حاصل کر سکتے ہیں، جبکہ باقی تمام امور کے علم کے لیے ہمیں دوسرے انسانوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو ہمیں زمانہ ماضی یا حال میں موجود واقعات کا علم بذریعہ خبر دیتے ہیں۔ خبر کا ذریعہ حواس خمسہ ہوتے ہیں، جن کے ذریعے سے کسی واقعہ کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ تحمل واقعہ میں اور پھر اس واقعہ کی آگے روایت میں ان پانچ ذرائع کے علاوہ کوئی ذریعہ استعمال نہیں ہوتا اور نہ ہی ان ذرائع کے علاوہ آنے والے واقعات کا بیان خبر کہلا سکتا ہے۔ 'حس' سے حاصل ہونے والے علم کو اہل منطق کی اصطلاح کے مطابق 'علم مشاہدہ' کہتے ہیں، جو کہ شہد سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ شاہد بمعنی واقعہ کا گواہ، بھی اسی سے ہے۔ کیونکہ شاہدِ واقعہ حواس کے ذریعے حاصل ہونے والی شے کی شہادت و گواہی دیتا ہے۔ اسی لیے اسے شاہد کہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے شرعی واقعات کی خبر دی ہے اس لیے وہ بھی سنت کے شاہدین کا مقام رکھتے ہیں۔ تمام محدثین رحمۃ اللہ علیہم بھی خبر متواتر میں 'خبر کا ذریعہ حس ہو' کی شرط اسی لیے لگاتے ہیں کہ جو خبر حس سے نقل نہ ہو، وہ خبر کہلائی جا سکتی ہے اور نہ اس کی بنیاد پر شہادت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ پس جس خبر کی بنیاد حواس خمسہ بنیں اس خبر کے مخبرین کو تحقیق خبر میں وہی مقام دیا جائے گا جو واقعہ اور تحقیق واقعہ میں دنیا کے معروف عدالتی نظام میں شاہدینِ واقعہ کو دیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ فن حدیث کی تمام مفصل اور مختصر کتب میں وضاحت موجود ہے کہ سند کو سند کہتے ہی اس لیے ہیں کہ کسی چیز کی خبر اور پھر اس خبر کی تحقیق کے سلسلہ میں اصل اعتماد اسی پر ہوتا ہے، جیسا کہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کے اصطلاحی معنیٰ کی مناسبت سے اس کے لغوی معنی کے ساتھ یونہی پیش فرماتے ہیں۔[2]

---

[1] الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس، الرسالة: ص 160 ـ 174، مكتبة الحلبي، مصر، الطبعة الأولى، 1358هـ

[2] تدریب الراوی: 1/ 41-42

المختصر صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں آنے والی تمام روایات محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے بیان کردہ اِسنادی معیار پر پورا اترتی ہیں۔ مختلف الحدیث یا صحیح متعارض روایات تحقیق حدیث کے بجائے تاویلِ حدیث کا موضوع ہیں۔ چنانچہ ایسا تعارض چونکہ ائمہ کے فہم وفراست سے تعلق رکھتا ہے، اسی لیے یہ حدیث کی صحت کے کبھی بھی منافی نہیں ہو سکتا، بلکہ اسکی نسبت خود ائمہ کرام کے تقصیر فہم کی طرف کی جانی چاہیے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں بعض اہل علم کی طرف سے صحیح بخاری کی ایک حدیث کے مفہوم کے حوالے سے اٹھائے گئے بعض اشکالات نقل فرما کر ناراضگی سے فرماتے ہیں:

”أَقْدَمَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْأَكَابِرِ عَلَى الطَّعْنِ فِي صِحَّةِ هَذَا الْحَدِيثِ مَعَ كَثْرَةِ طُرُقِهِ وَاتِّفَاقِ الشَّيْخَيْنِ وَسَائِرِ الَّذِينَ خَرَّجُوا الصَّحِيحَ عَلَى تَصْحِيحِهِ وَذَلِكَ يُنَادِي عَلَى مُنْكِرِي صِحَّتِهِ بِعَدَمِ مَعْرِفَةِ الْحَدِيثِ وَقِلَّةِ الِاطِّلَاعِ عَلَى طُرُقِهِ.“[1]

”یہ حدیث بے شمار اسانید سے مروی ہے اور صحیحین، نیز صحیح احادیث جمع کرنے والے دوسرے ائمہ نے بھی اس حدیث کی صحت پر اتفاق نقل کیا ہے، لیکن اس کے باوجود اہل علم کی ایک جماعت نے اس حدیث کی صحت کو سند کے قطعی الثبوت ہونے سے قطع نظر ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ جو لوگ اس قسم کی تنقید صحیحین یا ثابت شدہ روایات پر کرتے ہیں، تو ایسی تنقید ان اہل علم کی فنِ حدیث میں عدمِ مہارت اور اس روایت کی کثرتِ اسانید سے ان کی اپنی ناواقفیت کی دلیل ہے۔“

ماقبل کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ خبر مقبول میں پائی جانے والی پانچ شرائط میں سے تین شرائط ایسی ہیں کہ جن کے عدم سے روایت کی صحت معدوم ہو جاتی ہے جبکہ باقی اضافی شرائط ہیں جن کے نہ پائے جانے سے روایت کی صحت معدوم تو نہیں ہوتی البتہ کچھ کمزور ہو جاتی ہے۔ اصول فقہ کی معروف اصطلاحات میں پہلی قسم کی شرائط کو شرائط معلقہ اور دوسری قسم کی شرائط کو شرائط متصلہ کہا جاتا ہے۔ پہلے کے عدم سے حکم کا بطلان جبکہ دوسرے کے عدم سے حکم کا فساد و نقصان لازم آتا ہے۔[2]

ماہرین فن حدیث کے ہاں ضعیف کا اطلاق کس روایت پر کیا جاتا ہے؟

گزشتہ بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ 'ضعیف حدیث' عام طور پر وہ ہوتی ہے جس میں صحت حدیث کی اساسی اور ضمنی شرائط پائی جائیں۔ اس پس منظر میں محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے استعمالات واصطلاحات میں 'ضعیف حدیث' کی تعریفیں دو طرح سے منقول ہیں:

① جو روایت اپنی پہلی تین شرائط کے اعتبار سے مردود ہو، اسے ضعیف کہا جائے گا اور جو اپنی سند کے اعتبار سے

---

1 العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، فتح الباری شرح صحيح البخاري: 338/8

2 زیدان، عبد الکریم، ڈاکٹر، جامع الاصول اردو ترجمہ (الوجیز فی اصول الفقہ): ص78-79، بالاختصار وبالتصرف یسیر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع اول 2014ء

صحیح ہو اسے صحیح کہا جائے گا۔ ذخیرہ حدیث کی عام روایات اسی قسم کی ہیں۔ ڈاکٹر صبحی صالح فرماتے ہیں:

"فالغالب على السند الصحيح أن ينتهي بالمتن الصحيح والغالب على المتن المعقول المنطقي الذي لا يخالف الحس أن يرد عن طريق سند صحيح."[1]

"اکثر سندِ صحیح متنِ صحیح پر منتہی ہوتی ہے اور اکثر متنِ معقول جو حس کے مخالف نہ ہو، سندِ صحیح کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔"

② بسا اوقات روایت کی پہلی تین اساسی شرائط کے اعتبار سے وہ صحیح ہوتی ہے، لیکن ماہرین فن اسے پھر بھی ضعیف کے نام سے ذکر کر دیتے ہیں۔ ماہرین فن سے حدیث پر حکم لگاتے ہوئے اس قسم کے اقوال عام طور پر معلول یا شاذ احادیث کے ضمن میں مل جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ بسا اوقات محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم مذکورہ دوسری صورت پر جو 'ضعیف' کا اطلاق کرتے ہیں تو اس کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ یہ حدیث لغوی طور پر ضعیف ہے نا کہ اصطلاحی طور پر، کیونکہ اس قسم کی روایت کا ضعف عدم صحت کی وجہ سے نہیں، بلکہ صحیح روایات کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عَلَى أَنَّ شَيْخَنَا مَالَ إِلَى النِّزَاعِ فِي تَرْكِ تَسْمِيَةِ الشَّاذِّ صَحِيحًا، وَقَالَ: غَايَةُ مَافِيهِ رُجْحَانُ رِوَايَةٍ عَلَى أُخْرَى، وَالْمَرْجُوحِيَّةُ لَا تُنَافِي الصِّحَّةَ، وَأَكْثَرُ مَا فِيهِ أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ صَحِيحٌ وَأَصَحُّ، فَيُعْمَلُ بِالرَّاجِحِ وَلَا يُعْمَلُ بِالْمَرْجُوحِ."[2]

"اس نزاع میں ہمارے شیخ کا میلان شاذ کا نام ترک کر کے اسے صحیح کہنے کی جانب ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس نزاع میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ ایک روایت کو دوسری روایت پر راجح قرار دے دیا جاتا ہے اور مرجوحیت صحت کے منافی نہیں ہے؟ اس میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں متعارض روایتوں میں سے ایک صحیح اور دوسری اصح ہے۔ پس راجح پر عمل کیا جاتا ہے اور مرجوح پر نہیں کیا جاتا ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے ضعف کی تشریح میں ایک اور انداز اختیار فرماتے ہوئے اس قسم کی روایت کو ضعیف اصطلاحی ہی کہتے ہیں، لیکن ان کی رائے میں ضعیف اصطلاحی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ضعیف حقیقی بھی ہو۔ چنانچہ ایسی روایت حقیقت میں ضعیف نہیں ہوتی، البتہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اپنے استعمالات اور اپنی اصطلاحات میں اسے بھی ضعیف کہہ دیتے ہیں۔[3]

نتیجہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس درج بالا قسم کی ضعیف روایات پائی جاتی ہیں، پہلی قسم کی نہیں، بلکہ بہتر ہے اسے 'ضعیف' کے لفظ سے بیان ہی نہ کیا جائے، جیسا کہ پیچھے واضح ہوا، اسے متوقف علیہ صحیح روایت،

[1] الصالح، صبحي إبراهيم، الدكتور، علوم الحديث ومصطلحه: ص 283، دار العلم للملايين، بيروت، الطبعة الخامسة عشر، 1984م

[2] فتح المغيث: 11/19

[3] النكت على كتاب ابن الصلاح: 2/654

مرجوح صحیح روایت، شاذ صحیح روایت، یا معلول صحیح روایت وغیرہ کا نام دینا چاہیے۔

خلاصہ بحث: تحقیقِ حدیث میں نقد سند اور نقد متن دو مستقل معیار نہیں ہیں!

درج بالا مکمل کلام سے بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ خبر مقبول کی آخری دو شرائط پہلی تین میں ہی داخل ہیں اور وہ دونوں اساسی شرائط نہیں۔ پہلی تین شرائط میں شامل ہونے کے باوجود انہیں دوبارہ ذکر کرنے سے مقصود محض متن سے متعلقہ مذکورہ لوازمات کو اور بہتر انداز میں توجہ دے کر پورا کرنا ہے۔ نیز پہلی تین اساسی شرائط کے فقدان سے تو روایت ضعیف حقیقی بن جاتی ہے، جبکہ آخری دو شرائط کے فقدان سے روایت حقیقی طور پر تو صحیح رہتی ہے، البتہ علماء اپنے استعمالات میں اسے بھی 'ضعیف' کا نام دے دیتے ہیں، البتہ یہاں محدثین رحمۃ اللہ علیہم کا 'ضعیف' کی اصطلاح کا اطلاق کرنا ضعفِ لغوی کے قبیل سے ہوتا ہے۔ درایتی نقد کے دعویداروں کا یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ ہر حدیث کو صحیح قرار دینے کے لیے سند و متن سے متعلقہ ہر دو معیارات سے مستقل ثابت کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اہل درایت کا یہ دعویٰ کہ

> "درایت کی روشنی میں روایات کو پرکھنا ایک مسلمہ علمی اصول ہے اور جب کسی روایت کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ قرآن کریم کی کسی نص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلومہ اور دین کے مسلمات یا عقل عام کے تقاضوں کے خلاف ہے تو اس کو یکسر رد کر دینا چاہیے، چاہے اس کی اِسناد کتنی ہی صحیح اور اس کے طرق کتنے ہی کثیر کیوں نہ ہوں۔"[1]

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے بیانات کے صریح منافی ہے اور متقدمین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

---

1 محمد عمار خان ناصر، نقد روایت کا درایتی معیار، ماہنامہ اشراق، شمارہ مارچ 2002ء، لاہور